قیامِ امن میں جدید پشتو ادب کا کردار: شاعری کے تناظر میں

Rold of Modern Pashto Poetry for Peace in the Region

ڈاکٹر جاوید اقبال *

ڈاکٹر حنیف خلیل **

Abstract

Literature in general and poetry in particular usually depicts the various aspects of society and social life and of course play a vital role in peace building and harmony۔ That's why literature may be considered a true mirror of society۔ Irrespective of that the Pashtuns are mostly introduced as a martial nation but their poetry and literature played a very significant role to make the society more peaceful since very long۔ A number of specimens from Pashto poetry can be picked to show the peace loving nature of the Pashtuns۔ In this paper specifically the Pashto modern poetry has been focused to reflect the poetic response of the modern Pashtun poets to the prevailing scenario of war on terror in Pashtun belt and Afghanistan as well۔ A few couplets have been selected from the poetry of different Pashtun regions to portray the soft image of the Pashtuns and also addressed the role of Pashtun code of life which is reflective of peace and harmony in Pashtun society۔ The paper in particular deals with the modern Pashto poetry of 20th Century but it depicts the collective peace-loving nature of the Pashtun nation۔

---

* اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ، پشتو جامعہ بلوچستان، کوئٹہ۔

** ڈائریکٹر نیس قائد اعظم یونیورسٹی، اسلام آباد۔

تلخیص

مغربی دانشور میتھ آرنلڈ کا یہ قول "Literature is the Criticism of Life" ادب کی انتہائی جامع اور مختصر ترین تعریف ہے۔ اس قول کی تائید و تشریح میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے، مگر لب لباب یہی ہو گا کہ ادب معاشرے میں زندگی کی تعمیر کرتا ہے۔ معاشرہ سازی میں اپنا فعال کردار ادا کرتا ہے۔ الطاف حسین حالی نے اپنے مقدمہ شعر و شاعری میں کہا تھا کہ ادب معاشرتی انتشار کی حالت میں ترقی کرتا ہے۔ ادب معاشرتی انتشار کو خوشحالی اور امن میں بھی تبدیل کر دیتا ہے تو شاید ادب کی اہمیت و افادیت بطریق احسن اجاگر ہو جاتی۔

زندہ ادب وہی ہوتا ہے جو معاشرتی انتشار کو امن کی فضا میں تبدیل کرے اور بہتر معاشرہ سازی میں اپنا کردار ادا کرے۔ ادیب و شاعر چونکہ معاشرے کا حساس ترین فرد ہوتا ہے، لہٰذا وہ سماجی درد و الم اور پوری حساسیت کے ساتھ اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ مسائل و موضوعات کو اپنی ذات کا حصہ بناتا ہے اور پھر انہی مسائل اور درد و الم کے اظہار کے ساتھ اپنی حساسیت، داخلی کرب اور جذباتی کیفیات شامل کر کے اظہار خیال کرتا ہے۔ یہی اعلیٰ ادب ہے اور یہی ایک اعلیٰ ادیب کا بنیادی کردار ہے۔

مگر ہمارے دور کے محقق انجم اعظمی اس بات کو نفسیاتی و ادبی انداز میں یوں بیان کرتے ہیں:

> "فطرت سے ہم آہنگ ہونے اور خلق کرنے کی اس صلاحیت کو اگر ایک وجودیت پسند نظر میں رکھے تو وہ انسان کی زندگی کو بے معنی قرار نہیں دے گا بلکہ اسے انسانی شعور کی تابناکی ہی انسانی آزادی کا روپ دھارتی نظر آئے گی جو خارجی حقیقت کا ادراک حاصل کرنے کے بعد انسان کے باطن میں اترتا ہے اور دونوں کو ملا کر انسان کی ماہیت اور معنی دریافت کرتا ہے، یہی ادب اور حقیقت کا رشتہ ہے ادب کلی حقیقت ہے جس میں خارج و باطن ایک ہو جاتے ہیں اور جس طرح انسان خارجی حقائق سے رشتہ جوڑ کر اپنے وجود کی تکمیل کرتا ہے اسی طرح انسانی تخیل سارے علوم کی دریافتوں کو اپنے اندر سمو کر اعلیٰ ادب کی تخلیق کرتا ہے اور اس بہانے اس متحرک انسان کی حقیقت دریافت کرتا ہے جو وقت کے بہتے دھارے میں مسلسل اپنے اندر اور باہر کے انکشافات سے دوچار ہے"(۱)۔

اردو کے ممتاز دانشور ڈاکٹر جمیل جالبی اسی خیال کی تائید میں یوں رقم طراز ہے:

"ہماری نسل ایک ایسے ہی دور سے گزر رہی ہے جہاں ہر چیز کی شکل دھندلا گئی ہے، جہاں ہر قدر بے معنی نظر آنے لگتی ہے اور جہاں بے یقینی اور الجھاؤ نے ذہن کو کہر آلود کر دیا ہے، جب معاشرہ کا یہ حال ہو تو اسی وقت ادیب کی ذمہ داری اور اس سے حلف وفاداری اٹھوانے کے مسائل سامنے آتے ہیں اور یہ معاشرہ کا وہ دور ہوتا ہے جہاں معاشرہ کی عملی قوتوں کے تصورات اور اقدار ادیب کے تصورات اور اقدار سے مختلف ہو جاتے ہیں، جب معاشرہ میں ہم آہنگی ہو تو معاشرہ ادیب کو اور ادیب معاشرہ کو متاثر کرتے رہتے ہیں"(۲)۔

جمیل جالبی اس بات کو بہت مختصر، جامع اور خوبصورت الفاظ میں سموتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ادیب اپنے دور کا آئینہ ہوتا ہے، جس میں چھوٹے بڑے واضح اور غیر واضح سارے عکس نظر آتے ہیں، جو ادیب اپنے دور کیلئے یہ کام نہیں کرتا وہ نہ صرف غیر ذمہ دار ہے بلکہ اس کے ادیب ہونے پر بھی شک کیا جا سکتا ہے"(۳)۔

معاشرے میں قیام امن کے لیے پشتو شاعری کا عکس دیکھنے سے پہلے مجموعی طور پر پشتون معاشرے کے بارے میں کچھ کہنا بھی ضروری، عام تاثر یہ ہے کہ پشتونوں کو ایک تشدد پسند ملتِ کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے۔ اس تاثر کے پس منظر میں برصغیر میں مغل اور پشتونوں کے درمیان لڑائیوں کی تاریخ کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پشتون تشدد پسند ملت ہے کیونکہ یہ تاریخی کشمکش ان ادوار کے طرز حکمرانی کا تقاضا تھا۔ اس کے ساتھ اگر بیسویں صدی کے طرز سیاست کو دیکھا جائے تو باچاخان اور ان کی خدائی خدمتگار تحریک میں وہی پشتون تھے، جو انگریز سامراج متشدد حکمرانوں کے خلاف بھی عدمِ تشدد کے نظریئے کے پیروکار رہے، پشتون ملت کی امن پسندی کیلئے ضروری ہے کہ ہم اس ملت کی ملی اقدار اور ثقافتی ورثے کا جائزہ لیں، پشتون ملت کے ان ملی و ثقافتی اقدار کو پشتونولی یا پشتو کے نام سے جانا جاتا ہے، جس میں اگرچہ بدل (انتقام لینا) اور پیغور (طعنہ) جیسے تشدد پسند عناصر بھی موجود ہیں مگر ان عناصر کا ازالہ بھی اسی پشتونولی کے اقدار میں ننواتی (صلح کیلئے آمادگی) بدرگہ (حفاظتی دستہ) پناہ او تیژہ (جنگ بندی) کی شکل میں موجود ہے۔ ان سب اقدار کی وضاحت تو یہاں ممکن نہیں مگر اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ "دل" کسی بھی ظلم کا بدلہ لینے کو کہتے ہیں۔ 'پیغور' ایسے طعنے کو کہتے ہیں جس سے جنگ کی آگ بھڑک سکتی ہے مگر اس کے مقابلے میں بدرگہ کسی بھی شخص کو دشمن کی بربریت سے محفوظ مقام تک پہنچانے کے عمل کو کہتے ہیں۔ کسی کو تحفظ دینے کیلئے اپنے گھر یا

حجرہ میں پناہ بھی دیا جاتا ہے اور 'تیژہ' جنگ بندی کا معاہدہ ہوتا ہے، مگر ان سب سے زیادہ پر امن قدر 'ننواتی' (صلح کیلئے آمادگی) ہے، جس کی وضاحت کچھ تفصیل سے کرنا ضروری ہے۔ سید انوار الحق جیلانی نے پشتو نامہ میں اس قدر کی وضاحت میں لکھا ہے:

''ہر چند کہ پشتونوں میں جذبہ انتقام کی آگ بغیر بدلہ لیے ایسے آسانی سے نہیں بجھتی مگر بمصداق ''کہ غر لوئی دی خو پہ سر یے لار دہ'' پہاڑ اگر اونچا ہے تو کیا ہوا، سر پر اس کے راستہ ہے۔ بڑے بوڑھوں نے کچھ قاعدے ایسے وضع کر رکھے ہیں کہ ان کے ذریعے اصلاح کی صورت نکل آئی ہے۔ جب دو افراد یا خاندانوں کے درمیان قتل و مقابلہ بہت عرصے تک جاری رہتا ہے اور کچھ کمزوری اور مجبوری کے سبب ان میں ایک فرد یا ایک فریق یہ چاہے کہ آپس کی دشمنی اور خصومت کسی صورت میں منقطع ہو جائے تو اس کا علاج 'ننواتی' ہے، ننواتی کے معنی ہے ''اندر جانا یا گھسنا'' یہ رسم کئی طریقوں سے ادا کی جاتی ہے۔ پہلے یہ قاعدہ تھا کہ ننواتی کرنے والے کی طرف سے گاؤں اور محلے ٹولے کی معمر و معزز خواتین، قرآن شریف سر پر اٹھائے ذرارات گئے اکٹھی ہو کر جاتی تھیں اور طاقتور دشمن کے گھر میں جا گھستی تھیں۔ کہیں یوں بھی ہوتا تھا کہ آگے آگے معمر و سفید سر والی بڑی بوڑھیاں سر پر قرآن شریف لئے جاتیں اور پیچھے پیچھے ننواتے کرنے والا گلے میں رسی ڈالے اور گھاس کے تنکے منہ میں پکڑے ہاتھ میں چھری لئے اپنے مدمقابل دشمن کے گھر میں جا گھستے۔ اس کا مطلب ہوتا کہ اب مزید بدل و انتقام اور قتل مقابلے کی طاقت نہیں رہی ہے۔ از خود اپنے آپ کو تمہارے حوالے کر دیا۔ چاہو تو معاف کر دو، چاہو تو قتل کر دو، میں گائے یا بکری بن کے آیا ہوں، تمہارے در پر۔ بس اب اپنی امان میں لے لو۔ اگرچہ یہ اپنی کمزوری و لاچاری کی علامت بلکہ اس کا اقرار یا اعلان ہے، مگر ننواتی عموماً قبول کر لی جاتی ہے۔ کیونکہ ننواتی کا قبول کرنا بھی پشتون کے لئے اتنا ہی سخت ہے جس کے لئے اسے اپنے بر افروختہ جذبات اور آتش انتقام پر مکمل قابو حاصل کرنا اور اپنی طبعیت پر انتہائی جبر کرنا ہوتا ہے''(۴)۔

اس حد تک امن پسند قوم کے بارے میں کیسے کہا جا سکتا ہے، کہ یہ ملت پر تشدد۔ پشتو شاعری میں اس امن پسندی کا عکس تواتر کے ساتھ نظر آتا ہے۔ کلاسکی شعراء میں حضرت رحمان بابا کو خطاب ہی ''شاعر انسانیت'' ملا ہے، جن کی شاعری محبت، ایثار، حب الوطنی، خدمت خلق، بھائی چارے اور مجموعی طور پر امن و آشتی کا درس دیتی ہے۔

اگر ہم پشتو کی جدید شاعری کا مطالعہ کریں تو بیسوی صدی کے شعراء میں قیام امن کے لئے ان کے شاعرانہ تصورات ہمیں مختلف ادوار میں ملتے ہیں، مگر خصوصی طور پر نائن الیون کے واقعہ کے بعد جب

پشتون سرزمین بدامنی وانتشار سے بری طرح دوچار ہوئی تو پشتون شعراء کی شاعری میں بہت شدت سے قیام امن کے لئے آواز اٹھی۔ افغانستان کے علاوہ پشتونوں کے قبائلی جغرافیہ، بلوچستان اور وادی پشاور کے تمام شعراء نے امن کا قیام اپنی شاعری کا مرکز و محور قرار دیا، اس واقعہ نے پشتو شاعری کی نفسیات تک میں انقلاب پیدا کیا۔ اس سے پہلے پشتون اپنے اسلاف کے تاریخی واقعات اور بہادری کے کارناموں پر فخر کرتا تھا اور ان کے جنگی کارناموں کو اپنی شاعری میں سراہتا تھا۔ اب پشتون شاعر کا مزاج وہ نہیں رہا۔ اب پشتون شاعر اپنی سرزمین پر امن کا خواہاں ہے۔ اس سرزمین پر انتشار پھیلانے کا سبب جو بھی بنتا ہے، پشتون شاعر اسے رد کرتا ہے۔ بدنامی اگر امریکہ اور دیگر معاون ممالک کے ذریعے پھیلتی ہیں تب بھی پشتو شاعر اس کی مذمت کرتا ہے اور اگر دینی طبقات اور دیگر متشدد قوتوں کے ذریعے قیام امن میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے تب بھی یہ اس سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر حنیف خلیل نے اپنے ایک مقالہ "پشتو غزل پر نائن الیون کے اثرات" میں پشتو غزل سے کچھ مثالیں پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''مذکورہ حوالوں اور شعراء کی غزلوں سے مثالوں کے پیش کرنے سے ایک واضح تصویر آنکھوں کے سامنے پھیر جاتی ہے کہ افغانستان اور پاکستان میں پشتونوں کے مختلف علاقوں خصوصاً قبائلی علاقہ جات میں انسانی قتل وغارت، دہشت گردی، بربریت، جہالت، وحشت اور ظلم و ستم کے ایک بھیانک منظر سے ہمارا سامنا ہو رہا ہے۔ دہشت و وحشت کا یہ سلسلہ اب صرف پشتون جغرافیہ تک محدود نہیں رہا بلکہ پورے پاکستان کو اس نے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور پاکستان کے علاوہ دیگر پڑوسی ممالک پر بھی اس کے اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ اس خوف و ہراس اور ظلم و ستم کے محرکات کیا ہیں؟ وحشت و دہشت پھیلانے والوں کے عزائم کیا ہیں؟ مقاصد کیا ہیں؟ اور یہ سب کچھ کس کے اشارے پر ہو رہا ہے۔ یہ سیاسی مسئلہ ہے اور ابھی تک اس معمہ کو سلجھانے کے سلسلے میں واضح طور پر کچھ کہا بھی نہیں جاسکتا، مگر یہ واضح ہے کہ شعر وادب سے تعلق رکھنے والے طبقہ نے ان غیر انسانی اور وحشیانہ رویوں کو بہت شدت سے ہدف تنقید بنایا ہے اور قطع نظر اس سے کہ ان رویوں سے کس کو فائدہ ہو رہا ہے اور کس کو نقصان، یہ سب کچھ کون کر رہا ہے؟ مجموعی طور پر شعر وادب سے وابستہ تمام حلقوں نے ان رویوں کو غیر انسانی فعل قرار دیتے ہوئے مسترد کیا ہے''(۵)۔

اگر ہم اس سلسلے میں مختلف شعراء کی شاعری سے مثالیں پیش کریں گے تو کئی مثالیں ملتی ہیں۔ کچھ شعراء ایسے بھی ہیں، جن کا خصوصی موضوع یہی رہا ہے۔ یعنی مذکورہ واقعہ سے پیدا شدہ بدامنی وانتشار کو

موضوع بنایا ہے اور اسی تناظر میں قیام امن کے لئے اپنی فکر و بصیرت کا اظہار کیا ہے۔ ہم انہی شعراء کی شاعری (نظم غزل دونوں) سے کچھ نمونے پیش کرتے ہیں اور ان کا جائزہ لیتے ہیں۔

اس موضوع پر شاعری کے ضمن میں سب سے اہم اور نمایاں نام مالاکنڈ ایجنسی سے تعلق رکھنے والے شاعر علی اکبر سیال کا ہے، جن کے شعری مجموعوں کے ناموں سے امن اور آشتی جھلکتی ہے۔ مثال کے طور پر " په جنګ دې اور ولګي"(جنگ کو آگ لگ جائے)" دا پر هرونه به ګنډل غواړي" (ان زخموں کو سینا پڑے گا)" زمونږ په کلي کښې شر مه جوړوئ"(ہمارے گاؤں میں شر نہ پھیلائیں)۔ علی اکبر سیال کے مجموعے" دا پر هرونه به ګنډل غواړي" کا آغاز ہی "دنیا" کے نام سے ایسی نظم سے ہوتا ہے جس میں وہ پوری دنیا میں امن کے خواہاں نظر آتے ہیں۔ اس نظم کا کچھ حصہ یوں ہے:

په دنيا حکم چلوونکو خلقو! :: د ايټم بم طاقت لرونکو خلقو!
دنيا زمونږه شريك کلی دی :: زمونږ په کلی کښې شر مه جوړوئ
د رنګ او نور د ښکلا ډکه دنيا :: لوګي لوګي فضا کښې مه بدلوئ
دا د ګلونو ماشومانو ځانګو :: د سرو بارودو په ډېر مه اودروئ"

ترجمہ: اے دنیا پر حکم چلانے والوں، ایٹمی طاقت کے حامل لوگو! دنیا تو ہمارا مشترکہ گاؤں ہے، ہمارے اس گاؤں میں شر نہ پھیلائیں، رنگ اور نور کی اس خوبصورت دنیا کو دھواں دار فضا میں تبدیل نہ کریں، پھولوں جیسے بچوں کو بارود کی آماجگاہ نہ بنائیں)۔

سیال کے اس مجموعے میں "تعمیر نو" "اې د دنيا خلقو"(اے دنیا کے لوگو!)"۔ زمونږ وطن څۀ لېبارټري خو نۀ ده" (ہمارا وطن کوئی لیبارٹری تو نہیں ہے)" جامے "(کپڑے) اور چند دیگر ایسی نظمیں ملتی ہیں، جن میں ایک پر امن معاشرے کے قیام اور جنگ و تباہی سے نفرت کا تاثر ملتا ہے۔ اس طرح ان کے ایک اور مجموعے "زمونږ په کلي کښې شر مه جوړوئ"(ہمارے گاؤں میں شر نہ پھیلائیں) میں منشور، زمکہ (زمین)"د پښتنو دغه وطن دی"(یہ پشتون کا وطن ہے) کے علاوہ چند گیت ایسے بھی ہیں جو قیام امن کے پیغام سے لبریز ہے مگر ہم اس موقع پر ان کی شاعری سے زیادہ مثالیں پیش نہیں کر سکتے ہیں۔

سلیم رازؔ پشتو کے خوبصورت شاعر ہیں۔ جن کے مجموعے "زۀ لمحه لمحه قتلیږم" (میں لمحہ لمحہ قتل ہوتا ہوں) میں اس موضوع پر کئی اشعار اور منظومات ملتی ہیں۔ آپ نے اپنی شاعری میں شر و فساد اور جنگ و جدل سے پیدا شدہ تباہی کی تصویر کشی بھی کی ہے اور ایک پر امن معاشرے کی خواہش کا اظہار بھی کیا ہے۔ ایک نمونہ پیش نظر ہے:

مونږ د مینې سفیران یو چې هر ځای یو مینه وېشو
دا فطرت مو دی چې چا نه هم نفرت کولی نۀ شو
داسې ژبه او قلم که سلامت وي څۀ مطلب دی
چې تبلیغ پرې د ښکلا او صداقت کولی نۀ شو"(۷)

ترجمہ: ہم محبت کے سفیر ہیں، اور جدھر بھی جاتے ہیں محبت ہی بانٹتے رہتے ہیں۔ ہماری بس یہی فطرت ہے کہ کسی سے بھی نفرت نہیں کرتے، ایسی زبان اور قلم اگر سلامت بھی رہے تو کیا فائدہ؟ جب اسے حسن اور صداقت کے پرچار کیلئے استعمال میں نہ لایا جائے۔

نوجوان شعراء میں جاوید احساس، قیصر آفریدی اور ریاض تسنیم غزل و نظم کے بہت اچھے شاعر ہیں۔ ان تینوں شعراء کے کلام میں نظم و غزل، دونوں میں پشتون سرزمین میں پھیلے انتشار کی تصویر کشی اور پر امن معاشرے کے قیام کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ جاوید احساس نے بہت خوبصورت انداز میں غزل کے پیرائے میں کہا ہے کہ:

"دې له جنته ویستي انسان له خو غیرت په کار ؤ
په دغه زمکه خو په هر صورت جنت په کار ؤ"(۸)

ترجمہ: اس جنت سے دھتکارے ہوئے انسان میں کچھ تو غیرت ہونی چاہئے تھی، اس سرزمین کو ہر صورت میں جنت بنا دے تھا۔

اس طرح ریاض تسنیم کے غزل کے چند اشعار دیکھئے:

د خپل مرکز د خپل وجود نه ګرېزان دي خلق
د چا جهنډا يې لاس کښې چا پسې روان دي خلق
د زندګۍ معنا د خپلو مړو شمېر پاتې ده
اوس په تلاش د کوم خواهش د کوم ارمان دي خلق"(۹)

ترجمہ: یہ لوگ اپنے مرکز و وجود یعنی شناخت سے گریزاں ہیں یہ کس نظریئے کا علم بلند کئے ہوئے ہیں اور کس کی پیروی کر رہے ہیں، کیا زندگی کا مطلب اب یہی رہا ہے کہ اپنے مردوں کی گنتی کرتے رہیں؟ یہ آخر کس قسم کی خواہش کی تمنا ہے۔

قیصر آفریدی کا انداز بیان کچھ یوں ہے:

په جنګ کښې څوك د چا په ضد ولاړ دی
ټوپك زما دی هم بدن زما دی
ستا د بارودو اور مي زړۀ نه تېر شو
دا چي اواز دومره تاوجن دی زما"(۱۰)

ترجمہ: نہ جانے اس لڑائی میں کون کس کے خلاف کھڑا ہے، کیونکہ بندوق بھی میری ہی ہے اور گولی کا نشانہ بھی میں بن رہا ہوں۔ تیری بارود کی آگ تو میرے سینے سے گزر جاتی ہے۔ اس لئے تو میری آواز سے بھی آگ برس رہی ہے۔

قیصر آفریدی نے اپنی ملت ہی میں نفاق و جہالت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ہم لوگ کب سمجھ سکیں گے کہ ہم اپنے ہی لوگوں کے خون کے پیاسے ہیں۔ اس اندرونی انتشار کا خاتمہ کب ہوگا۔ اس خیال کی تائید میں ڈاکٹر حنیف خلیل کے چند اشعار پیش کرتا ہوں:

"ښه ده رهبري ستاسو کولی شم
خپله قافله خپله لوټلی شم
کله شم یوسف کله قابیل شمه
ورور مي وژني زۀ هم ورور وژلی شم"(۱۱)

ترجمہ: اچھا ہے کہ اسی طرح کی قیادت تو میں کر سکتا ہوں کیونکہ اپنا ہی قافلہ تو میں لوٹ سکتا ہوں، میں تو کبھی یوسف کی طرح بن جاتا ہوں کہ اپنے بھائی مجھے مارنے لگتے ہیں مگر کبھی قابیل بن جاتا ہوں کہ اپنے ہی بھائی کو مارنے لگتا ہوں۔

اس قسم کے طنزیہ اظہار سے واضح ہوتا ہے کہ پشتون معاشرے میں لاعلمی، جہالت، یا کسی بھی طرح کے ذاتی مفاد کی وجہ سے بھائی اپنے ہی بھائی کو مارتا ہے اور میرِ کارواں اپنے ہی کارواں کو لوٹتا ہے، لہٰذا معاشرے میں امن کا قیام تو تب ہی ممکن ہو سکتا ہے کہ یہ طرز عمل ختم ہو جائے۔

افغانستان کے شعراء میں بھی اس قسم کا اظہار خیال موجود ہے جس سے تباہ حال افغانستان میں امن کا قیام ممکن ہو سکے۔ پیر محمد کاروان، عبد الباری جہانی، مصطفٰی سالک، اجمل انداور نجیب اللہ عامر وغیرہ وہ شعراء ہیں جنھوں نے حالیہ تباہ کاریوں سے اجڑے ہوئے افغانستان کی حالت زار اپنی شاعری میں بیان کی ہے۔ ان میں سب سے نمایاں نام پیر محمد کاروان کا ہے، جس نے بہت خوبصورت انداز میں کہا ہے کہ:

مارغان دي راشي زمونږ لپو کښې دي ځالې وکړي
غر مو نشتر نهٔ لري، کلی مو چنار نهٔ لري"(۱۲)

ترجمہ: پرندو! آؤ ہمارے ہاتھوں کے اوک میں اپنے گھونسلے بناؤ کیونکہ اب تو نہ ہمارے پہاڑوں پر چیڑ کے درخت موجود ہیں اور نہ ہی ہمارے گاؤں میں چنار کے درخت باقی رہے۔

بلوچستان کے شعراء میں سعید گوہر، سید خیر محمد عارف، در محمد کاسی، محمود ایاز، نعیم آزاد اور ڈاکٹر حافظ رحمت نیازی وغیرہ کی شاعری میں قیام امن کا تاثر ملتا ہے، مگر اس خطے کے شعراء میں سب سے نمایاں نام درویش درانی کا ہے۔ درویش درانی اس سلسلے میں یوں اظہار خیال کرتا ہے:

ترجمہ: میرا دامن پتھروں سے بھرا ہے، لیکن کسی پر وار نہیں کرتا۔ عادتوں میں میری یہی عادت پہاڑ جیسی ہے۔(۱۳)۔

نوجوان شعراء میں پاڑہ چنار سے تعلق رکھنے والے روشن بنگش نے اس طرف زیادہ توجہ دی ہے اور کئی نظمیں وحشت و دہشت پھیلانے والوں کی مذمت میں لکھی ہیں۔ انہوں نے غزل میں بھی یہ وظیفہ سر انجام دیا ہے۔ یہاں ان کی شاعری سے محض ایک نمونہ پیش کرتے ہیں، جس میں مجموعی طور پر شر و فساد اور جنگ و جدل کی مذمت اور قیام امن کی مقدس خواہش کا اظہار کیا گیا ہے:

"د ټوپك مارو په نوم" (بندوق والوں کے نام) کے عنوان سے نظم میں وہ کہتے ہیں:

ترجمہ: چلو بس اب تو بندوق رکھ دو کیونکہ تمہارے بندوق کی وجہ سے ہر طرف تباہی ہوئی ہے، اب بندوق چلانے سے اپنے ہاتھ روک دو کیونکہ اس بندوق سے نکلی ہوئی گولی موت کا پیغام ہے یہ گولی کسی نہ کسی کے سر یا پیر کو تو ضرور لگے گی، یہ گولی کسی ماں کی آرزو کی قاتل بن سکتی ہے اور ناحق کسی انسان کو خاک میں ملا سکتی ہے۔ تیری بندوق سے نکلی ہوئی گولی کو خلوص و محبت کا کیا پتہ۔ دلوں کی الفت کا کیا پتہ، یہ گولی تو خیر کی بجائے شر پھیلاتی ہے اور ہر طرف غم و الم پھیلاتی ہے۔ یہ گولی تو ہر گھر میں شر کا پیغام پہنچاتی ہے کیونکہ اس گولی کو

مقدس پیار کا پتہ نہیں، اس گولی کو احترامِ انسانیت کا کیا پتہ، اسے پھولوں کی حسن کی کیا خبر، اسے بلبل کی پکار کی کیا سمجھ، اس گولی نے تو ننھے بچوں کو رلا دیا، اور یاروں کی موت پر یاروں کو رلا دیا۔ تیری بندوق کی اس گولی نے تو حسن و جمال کو بھی خون میں رنگ دیا ہے۔یہاں تک کہ پیار و محبت کے ہر آستانے کو اُجاڑ دیا ہے(۱۴)۔

اس نظم کو بطور نمونہ پیش کرنے کا مقصد یہ تھا کہ یہ پیغام نہ صرف روشن بنگش کی شاعری کا مرکز و محور ہے بلکہ اس پر آشوب دور کے مجموعی شعری رجحان کا محور بھی ہے۔ ہمارے اس نوجوان شاعر نے مجموعی طور پر بندوق کو شر کی علامت کے طور پر پیش کیا ہے اور اس شر کی مذمت کی ہے۔ یہ خیبر پختونخوا میں سرایت کر چکا ہے۔ دنیا کے دیگر گوشوں تک بھی یہ آگ پھیل چکی ہے، ہمارے پشتون شعراء نے نہ صرف پشتون جغرافیہ میں لگی ہوئی شر کی آگ کی مخالفت کی ہے بلکہ دنیا میں جہاں بھی انسانیت سوز فساد پھیلا ہے ان شعراء نے اس کی مخالفت میں آواز اٹھائی ہے۔ پشتو کے ممتاز شاعر پروفیسر رحمت اللہ درد نے اپنی سرزمین میں پھیلے ہوئے فساد کا ناطہ عالمی انتشار سے جوڑ کر کہا ہے کہ:

لارې کوڅې دي که ګودر لوګی دی :: هر څۀ نه تاؤ لکه څادر لوګی دی
دا دی زما تر کور را ورسېدو :: زۀ مطمئین وم چي بهر لوګی دی
کابل، کشمیر که فلسطین دی درده! :: نن د مشرق هر یو منظر لوګی دی"(۱۵)

ترجمہ: گلی کوچہ اور پنگھٹ پر آگ لگی ہوئی ہے جیسے ہر چیز دھواں دار چادر میں لپٹی ہوئی ہے۔ یہ آگ تو میرے گھر تک آ پہنچی ہے۔ میں تو سمجھ رہا ہوں کہ میرے گھر سے باہر دھواں ہے۔ کابل، کشمیر اور فلسطین پر کیا موقوف اے درد! آج تو مشرق کا ہر منظر آگ کی لپیٹ میں آ چکا ہے۔

خلاصہ کلام

اس مقالہ میں اب تک چند پشتون شعراء کے کلام سے مثالیں پیش کی ہیں اور ان کا جائزہ بھی لیا ہے مگر یہ نمونہ ''مُشت از خروار'' کے مصداق پیش کیے ہیں۔ایسے ان گنت شاعر ہیں، جن کی شاعری سے مثالیں پیش کی جا سکتی ہے، مگر اس موقع پر یہ سب نمونے پیش کرنا مشکل ہے، البتہ اتنا کہا جا سکتا ہے کہ پشتون سرزمین چونکہ ہر دور میں مختلف حادثات اور جنگی واقعات کی آماجگاہ رہی ہے، کئی متحارب تحریکیں اس سرزمین پر چل رہی ہیں، کئی اندرونی اور بیرونی تحاریک کیلئے اس سرزمین کو استعمال کیا گیا ہے اور مختلف ادوار

میں اس سرزمین کا امن پامال رہا ہے۔ اسلئے پشتون شعراء کا مختلف ادوار میں بدامنی اور انتشار کی مذمت اور امن و آشتی کا قیام بنیادی موضوع رہا ہے۔ اس بحث میں ہم نے کچھ اشارے تو اسی تاریخی پس منظر اور مختلف تحاریک کی وجہ سے مختلف واقعات کی طرف کئے ہیں، مگر خصوصی طور پر نائن الیون کے واقعہ نے پشتون جغرافیہ کو جس شدت سے متاثر کیا ہے، اسی شدت سے پشتون شعراء اور دانشور طبقہ کی تحریروں میں بھی اس کا ردعمل سامنے آیا ہے۔ ہم نے اس بحث میں یہ بھی دیکھا ہے کہ افغانستان، بلوچستان، خیبر پختونخوا اور فاٹا کے مختلف خطوں سے منسلک پشتو شعراء نے اس حالیہ بدامنی کا نقشہ اپنی شاعری میں کھینچا ہے اور ساتھ ہی ایک پرامن اور خوشحال معاشرہ کے قیام کیلئے آواز بھی بلند کی ہے۔ اسی طرح ہم نے یہ بھی دیکھا کہ پشتون شعراء نے ہر قسم کے سیاسی، مذہبی اور لسانی تعصبات سے بالاتر ہو کر اپنی سرزمین میں امن کی بحالی اور معاشرتی خوشحالی کیلئے شاعری کی ہے اور ہر صورت میں اپنی جنت جیسی سرزمین پر خیر و عافیت اور صلح و شادمانی کے خواہش کا اظہار کیا ہے۔ یہی وہ بنیادی کردار ہے جو پشتون اہلِ قلم نے قیام امن کیلئے ادا کیا ہے اور ادا کر تا رہا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ انجم اعظمی، ادب اور حقیقت، کراچی، اشاعت گھر، جنوری ۱۹۷۹ء، ص ۲۹۔

۲۔ جمیل جالبی، تنقید اور تجربہ، کراچی، مشتاق بک ڈپو، اگست ۱۹۶۷ء، ص ۶۶، ۶۷۔

۳۔ ایضاً، ص ۷۰۔

۴۔ سید انوار الحق جیلانی، پشتو نامہ، لاہور، مرکزی اردو بورڈ، اپریل ۱۹۷۵ء، ص ۱۹، ۲۰۔

۵۔ ڈاکٹر حنیف خلیل، پشتو غزل پر ۹/۱۱ کے اثرات، پشاور، ادارہ ادبیات اردو فارسی ولسانیات، جامعہ، ۲۰۱۰ء، ص ۱۴۴۔

۶۔ اکبر سیال، دا پر هر ونه به گنډل غواړي، اسلام آباد، پشتون کلچر ایسوسی ایشن، ۲۰۰۵ء، ص ۴۲، ۴۳۔

۷۔ سلیم راز، زۀ لمحه لمحه قتلېږم، (پام) چارسدہ، پشکلاوتی ادبی مرکز، جنوری ۲۰۰۷ء، ص ۳۸۔

۸۔ جاوید احساس، سر چینه، بنوں، معیار ادبی جرگہ، ۲۰۱۰ء، ص ۳۳۸۔

۹۔ ریاض تسنیم، دا کوم رنگ مي کشید کړی، کراچی، جرس ادبی جرگہ، جنوري ۲۰۰۴ء، ص ۲۸۔

۱۰۔ قیصر افریدی،سل نومونه د عشق نور دي، کراچی، جرس ادبی جرگہ، مئی ۲۰۱۰ء، ص۱۳۲۔

۱۱۔ حنیف خلیل ، پرخه پر پرښه، پشاور، باگرام ادبی جرگہ، جنوری ۲۰۱۰ء، ص۲۸۔

۱۲۔ پیر محمد کاروان،چنار خبرې کوي، پشاور، دانش کتابخانہ، ۲۰۰۳ء، ص۱۷۔

۱۳۔ درویش درانی،ستوري په لمن کښې، کوئٹہ، صحاف نشراتی مؤسسہ، ۲۰۰۰ء، ص۲۴۸۔

۱۴۔ روشن بنگش،سره ګلونه د خارونو په ولقه کښې، پشاور، یونیورسٹی پبلشر، (س،ن) ص۱۹، ۲۰۔

۱۵۔ پروفیسر رحمت اللہ درد، منتخب درد، پشاور، افضل پرنٹنگ پریس، ص۴۸۔